ایک ایسی گہری اور پُر اثر تحریر

جو

فتنوں اور آزمائشوں کے موجودہ دور میں

موحدین اور مؤمنین کے لئے

دین ودنیا کی کامیابی کے ایک انتہائی حساس اور دقیق راز پر

قرآن وسنت کی رہنمائی میں مدلل روشنی ڈال رہی ہے

بسم الله الرحمن الرحيم

ادارہ القادسیہ برائے نشر واشاعت



پیش کرتا ہے

تأملات في حسن الظن بالله

اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھنے پر کچھ غور وفکر

کا اردو ترجمہ

از ابو محمد المقدسی (فک اللہ اسرہ)

قیدی کی ڈائری سے چند اوراق

}}}

(وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا)

”اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے“

}}}

جس قدر بندے کا اللہ پر حسنِ ظن ہوتا ہے، اُس سے اچھی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں اور اُس پر سچا توکل ہوتا ہے، تو اللہ تعالی اُس کی توقعات کو ذرّہ برابر بھی ٹھیس نہیں پہنچاتا، کہ بے شک وہ سبحانہ وتعالیٰ کسی امید لگانے والے کی امید کو نہیں توڑتا اور نہ عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع کرتا ہے...

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں نے کتاب اللہ کی ایک آیت پر گہرا غور و فکر کیا اور اس پر کافی دیر ٹھہرا رہا... اور اس پر میرا رکنا حق بنتا تھا...

وہ (آیت) سورۃ الشوریٰ میں اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

(وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ) [الشوریٰ42: 28]

"اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ اور وہی ہے کارساز (اور) قابل حمد وثنا"

چنانچہ میں اپنے تخیل میں لوگوں کے اُس حال کا مشاہدہ کرنے لگا جب آگ جیسی شدید تپش اور سخت خشک سالی کی وجہ سے مویشیوں کے تھن سوکھ چکے تھے اور زمین بنجر ہو چکی تھی، اور ایسے میں وہ اپنی جانوں' اولادوں' مویشیوں' اور کھیتیوں کی بابت پریشان تھے...

پس وہ اللہ کی طرف راغب ہوتے ہوئے دعاؤں التجاؤں میں گڑگڑانے لگے یہاں تک کہ ان کی آسیں امیدیں بھی منقطع ہو چلیں... اور انہیں ہلاکت وبربادی کا یقین ہو گیا... کہ یکا یک آسمان پر سے وافر اور موسلا دھار برسنے والی بارش نے انہیں چونکا دیا، جس نے اللہ کی رحمت کو زمین کی وادیوں اور گھاٹیوں میں پھیلا دیا، تاکہ زمین اور جانوں اور روحوں کو اُن کی ناامیدی اور موت کے بعد زندگی بخش دے...

کتنی پیاری بات ہے کہ اس آیت کا اختتام اللہ کے اسماء 'الولی الحمید' (بڑا مددگار اور حمایتی' تعریف کے لائق) پر ہو رہا ہے۔ پس صرف تنہا وہی پاک ذات بندوں کی مددگار ہے، جو ہر لمحہ ان کی کفالت کرتی ہے اور ان کے معاملات چلاتی ہے... اسی وجہ سے ہر حال میں وہ تنہا ہی حمد کے لائق ہے...

اس کے سوا ہر ولی بھول جاتا ہے یا بھٹک جاتا ہے یا کمی یا غفلت برت جاتا ہے...

جبکہ میرا رب 'الولی الحمید' نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ پاک ہے وہ نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند... وہ حی و قیوم (ہمیشہ زندہ رہنے والا اور سب کو قائم رکھنے والا اور سنبھالنے والا) ہے... لہٰذا جو کوئی بھی اس کی مدد لے گا وہ اسے ضرور پائے گا–اس میں کوئی شک نہیں ہے– وہ بہترین کارساز اور بہترین مددگار ہے... وہ اپنے دوستوں پر ہر لمحے اور ہر جگہ اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے... یہاں تک کہ تنگ ترین مقامات اور کٹھن ترین لمحات میں بھی...

پھر وقت کی ڈگر پر گزرنے والے صالحین کے گذشتہ رواں دواں قافلے میرے تخیل میں پھرنے لگے...

- پس میں (اللہ کے) خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کو یاد کرتا ہوں جب اُن کی قوم نے اُنہیں ہر جانب سے گھیر رکھا تھا اور وہ لوگ اُن پر اپنے معبودوں کو توڑنے کا الزام لگا رہے تھے اور اُن سے زبردستی اعتراف کروا رہے تھے اور اُنہیں ڈرا دھمکا رہے تھے، تو وہ اپنے ولی پر مکمل حُسنِ ظن رکھتے ہوئے... پہاڑوں جیسی ثابت قدمی یا اس سے بھی شدید تر ثابت قدمی کے ساتھ... اُنہیں جواب دیتے ہیں...

(أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ * وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ) [الانعام6: 80-81]

''کیا تم اللہ کے معاملے میں مجھ سے حجت کرتے ہو حالانکہ کہ اس نے مجھے طریقہ بتلا دیا ہے، اور میں ان چیزوں سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہو، ہاں اگر میرا رب ہی کوئی امر چاہے، میرا رب ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے، کیا تم پھر بھی خیال نہیں کرتے * اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، سو ان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔''

دونوں فریقوں میں سے کون اپنے ولی سے اطمینان' امن' اور حسنِ ظن رکھنے میں حق بجانب ہے؟ جس کا ولی آسمانوں اور زمین میں ایسا زبردست ترین قادرِ مطلق ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے؟ یا وہ کہ جس کے اولیاء (مددگار) ایسے شرکاءکار ہیں جو جھگڑالو اور منتشر ہیں اور خود اپنے آپ کو یا کسی اور کو کوئی نقصان یا فائدہ پہنچانے کی قدرت تک نہیں رکھتے؟ جواب بڑا واضح اور فیصلہ کن ہے:

(الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ) [الانعام6: 82]

''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم (یعنی شرک) کے ساتھ آلودہ نہیں کیا، اُنہی کے لئے امن ہے اور وہی راہِ راست پر چل رہے ہیں''

پس امن و امان اور اطمینان جو اللہ سے حسنِ ظن رکھنے کا نتیجہ ہوتا ہے، یہ سب کچھ توحید کے ثمرات میں سے ہے... اور پھر میں ابراھیم علیہ السلام کی قوم کا تصور کرتا ہوں جب اُن لوگوں نے اُنہیں اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور آگ کے وسط میں پھینک دیا، تو اُن کے اپنے مولیٰ سے مطمئن اور اُس پر اعتماد سے بھرپور دل نے صرف یہی کہا: "حسبنا الله ونعم الوكيل" (ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔)

- پھر میں اُن کی بابرکت شریکِ حیات کا تصور کرتا ہوں جنہیں ابراہیم (علیہ السلام) نے اُن کے چھوٹے بچے کے ساتھ ایک بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیا تھا اور جاتے ہوئے اُن کی جانب مُڑ کر بھی نہ دیکھا جبکہ وہ اُنہیں پکار رہی تھیں: ' اے ابراہیم... اے ابراہیم... ہمیں اس جگہ کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہو...؟' پھر اُن کے التفات برتے بغیر چلتے چلے جانے پر متعجب ہونے کے بعد وہ سمجھ جاتی ہیں اور فرماتی ہیں: ' کیا اللہ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟' تو وہ فرماتے ہیں: ' ہاں۔'

تو وہ اپنے مولیٰ پر وثوق اور حسنِ ظن کے ساتھ فرماتی ہیں: 'تو پھر وہ ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا!! ' کیا ہی بہترین شوہر تھے اور کیا ہی بہترین بیوی تھیں...

- پھر اسی باعزت و شرف قافلے میں وقت کی ڈگر پر نوح (علیہ السلام) کو یاد کرتا ہوں جبکہ وہ اپنی قوم کے روبرو تنہا کھڑے ہیں اور اُنہیں چیلنج کر رہے ہیں، اس حال میں کہ وہ اکیلے اور بے یار و مددگار ہیں، لیکن اُن کے الفاظ پر غور و فکر کرنے والا اپنے مولیٰ پر اُن کے عظیم اعتماد کو اور رب تعالیٰ کی مدد کے بارے میں اُن کے حسنِ ظن کو جان لیتا ہے:

(وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ) [یونس10: 71]

’’اور آپ اُن کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنایئے جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم کو میرا رہنااور احکام الٰہی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو میرا تو اللہ ہی پر بھروسہ ہے، پس تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکاء کے پختہ کر لو، پھر تمہاری تدبیر تمہاری گھٹن کا باعث نہیں ہونی چاہیئے۔ پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو‘‘

- اور اُن کے بعد ہود (علیہ السلام) زمین پر ایسے طاقتور ترین جابروں کا سامنا فرمارہے ہیں جن کی تصویر کشی کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ ’قوت‘ کی امتیازی خصوصیت کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ ہود (علیہ السلام) اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک ایسے پُراعتماد شخص کی طرح کہ جس کو اپنے ولی کی مدد کا اطمینان ہو اور اسے حسنِ ظن ہو کہ اُس کا ولی اسے مایوس نہیں کرے گا، فرماتے ہیں:

(قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ * مِنْ دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُونِ * إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ) [ہود11: 54-56]

’’اُنہوں نے جواب دیا کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اللہ کے سوا اُن سب سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک بنا رہے ہو * اچھا تم سب مل کر میرے خلاف چالیں چل لو اور مجھے بالکل مہلت بھی نہ دو * میرا بھروسہ صرف اللہ ہی پر ہے، جو میرا اور تم سب کا رب ہے، جتنے بھی (زمین پر) چلنے پھرنے والے ہیں سب کی پیشانی وہی تھامے ہوئے ہے، یقیناً میرا رب بالکل صحیح راہ پر ہے‘‘

- اور پھر میں ان باشرف نوجوانوں کو یاد کرتا ہوں جنہوں نے اپنے مولیٰ سے اچھا گمان رکھا۔ چنانچہ اُس کی رضامندی کی خاطر قریب و دور والوں کی مخالفت مول لی اور نتیجتاً شرک، فسق و نافرمانی سے فرار حاصل کرنے کے لئے اپنے قریبی ترین لوگوں سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے اپنے ولی سبحانہ و تعالیٰ کی جانب رجوع کیا...

پس اُس کی رضاجوئی کی خاطر ایک پُرتعیش زندگی کے مزوں کے بدلے میں غار کی تنگی کو چُن لیا، تو نتیجہ صرف یہی رہا کہ اللہ نے اپنی جو رحمت اُن پر نازل فرمائی اُس سے اُس غار کو اُن پر کشادہ فرمادیا:

(فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا) [الکہف18: 16]

’’تو اب تم کسی غار میں جا بیٹھو، تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے لئے تمہارے کام میں سہولت مہیا کر دے گا۔‘‘

پھر میں اس قولِ باری تعالیٰ میں غور و فکر کرتا ہوں (**يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ**) تو یہ بات میری سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ اِس میں سے صرف کچھ –یا وہ مقدار جو اللہ ہی کو معلوم ہے– اس امر کے لئے کافی ہے کہ اُس غار یا جیل یا اُس قید کوٹھری کو جنت یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنادے...

پھر میں پہلی آیت کی یاد کی جانب لوٹتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اللہ کس طرح بارش برسا کر کھلی فضاء میں بندوں پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے بعد از کہ وہ مایوس ہو چکے تھے... اور وہ کس طرح کٹھن اور تنگ و تاریک غار میں نوجوانوں پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور اسے ایک وسیع اور کشادہ جگہ بنا دیتا ہے... پس میں اپنے مولیٰ کی تسبیح اور عظمت بیان کرتا ہوں...

بے شک یہ ولی وحمید کا اپنے اُن دوستوں (اولیاء) کے ساتھ معاملہ ہے جو اُس پر حسنِ ظن کے ساتھ حد درجہ اعتماد کرتے ہیں، اور اُس کے لئے بد گمانی نہیں رکھتے، اور اُس کے وعدوں کو سچا جانتے ہیں اور اس کی ضمانتوں پر وثوق رکھتے ہیں، اور اپنے دلوں کو اضطراب سے بچا کر سکون کی حالت میں رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ولی سے مطمئن ہیں...

اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، جیسا کہ بخاری ومسلم میں مروی اس حدیثِ قدسی میں بیان ہے:

"أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِيْ، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً "[رواه البخاري والمسلم]

"میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے، اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرے تو میں اُسے ایسی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اُس (جماعت) سے بہتر ہے، اور اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آئے تو میں ایک ہاتھ اُس کے قریب آتا ہوں، اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب آئے تو میں دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کے برابر اُس کے قریب آتا ہوں، اور اگر وہ چل کر میرے پاس آئے تو میں دوڑ کر اُس کے پاس آتا ہوں۔"

پس غور کیجیے کہ ہمارا مولیٰ کس قدر رحیم وعادل ہے... " أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِيْ"

تو جس نے اپنے مولیٰ سے سوئے ظن رکھا کہ وہ (مولیٰ) اُسے مایوس کرے گا اور چھوڑ دے گا، تو ایسا شخص اللہ کے عدل کے نتیجے میں اس رویے کی سزا کے طور پر حسرت ومایوسی کی پھٹکار سے دوچار ہو گا...

جو کوئی اپنے مولیٰ سے حسنِ ظن رکھے گا اور جان لے گا کہ وہ بہترین کارساز اور بہترین مددگار ہے، اور اُسے دیگر تمام مددگاروں سے تشبیہ دینے سے منزہ وپاک سمجھے گا... جو (مددگار) اپنے پیروکاروں کو مایوس کرتے ہیں اور اُن سے غفلت برتتے ہیں اور اُنہیں بھول جاتے ہیں اور گمراہ کرتے ہیں، پس اُن میں سے ہر ایک بہت ہی بدتر مددگار اور برا ساتھی ہے... چنانچہ جو کوئی بھی اپنے مولیٰ کو اُن کے نقائص سے بالاتر جانے گا اور اُس کی تعظیم وتسبیح کرے گا اور اُس سے حسنِ ظن رکھے گا اور اُس پر ایسا توکل کرے گا جیسا توکل کرنے کا حق ہے تو صرف مولیٰ ہی اُس کے لئے کافی سہارا ہو جائے گا۔

(وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ) [الطلاق65: 3]

"اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہو گا"

اور 'الحسیب' یعنی کافی، اور 'حسبنا الله' یعنی وہ پاک ذات ہی ہمارے لئے کافی ہے۔

جس قدر بندے کا اللہ پر حسنِ ظن ہوتا ہے اور اُس سے اچھی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں اور اُس پر سچا توکل ہوتا ہے، تو اللہ اُس کی توقعات کو ذرّہ برابر بھی ٹھیس نہیں پہنچاتا، کہ بے شک وہ سبحانہ وتعالیٰ کسی امید لگانے والے کی امید کو نہیں توڑتا اور نہ عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع کرتا ہے...

اسی لئے جب رسول اللہ ﷺ حراء سے تشریف لائے تھے اور فرشتے سے پہلی ملاقات کے بعد اُن کا دل کانپ رہا تھا، تو ہماری والدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اُس وقت اُن سے یہ فرمایا:

"كَلَّا وَاللَّهِ، لَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا؛ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ-"[رواه البخاري]

"اللہ کی قسم ہرگز نہیں، اللہ آپ کو کبھی بھی رسوانہ کرے گا، آپ (ﷺ) صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے مصائب پر (مصیبت زدوں کی) اعانت کرتے ہیں۔" (صحیح البخاری)

چنانچہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو قسم اٹھائی کہ اللہ اُن (ﷺ) کو ہرگز بھی رسوا نہیں کرے گا، اس کی بنیاد اُن کا اللہ عزّوجل کی اُس عادت (معاملے) کے متعلق حسنِ ظن تھا جو وہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ روا رکھتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں فیصلہ فرمادیا ہے:

(إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ) [يوسف12: 87]

"یقیناً اللہ کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں"

لہٰذا جو مؤمنوں میں سے ہو اُس پر لازم ہے کہ وہ کافروں کے راستے سے اپنے آپ کو آزاد کرے، چنانچہ دنیا و آخرت کے معاملات میں اللہ سے حسنِ ظن رکھے... اگرچہ کہ پہلی آیت بظاہر امورِ دنیا سے متعلق ہے...

امورِ آخرت کے متعلق قولِ باری تعالیٰ ہے:

(قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ) [الزمر39: 53]

"(میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوجاؤ، بالیقین اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، بیشک واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے"

چنانچہ یہ آیت، جیسا کہ علماء کا بیان ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب میں سب سے زیادہ امید افزاء آیت ہے۔ ایسا اس (آیت) کا سب سے بڑی بشارت کے حامل ہونے کی وجہ سے ہے، کہ پہلے تو اُس پاک ذات نے بندوں کی عزت افزائی کرنے اور پھر اُنہیں خوشخبری دینے کے لئے اُنہیں

اپنے ساتھ منسوب کیا ہے، کہ وہ اُن کا (ایسا) مددگار ہے جو تعریف کے لائق ہے، جو اُنہیں رسوا نہیں کرتا بشرطیکہ وہ اُس سے حسنِ ظن رکھیں اور اُس سے لو لگائے رکھیں اور اپنی تمام امیدیں اُس سے وابستہ کر رکھیں، اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد اُس کی رحمت سے مایوس نہ ہوں... پھر پاک ذات نے واضح ترین عبارت میں اُن پر ظاہر کر دیا ہے کہ جو کوئی اُس کی جانب رجوع کرتا ہے تو وہ اُس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے...

کیا ہی عمدہ بشارت ہے جس سے (اُن) موحدین کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے، اور اُن مؤمنین کے دلوں کو سکون ملتا ہے جو اپنے رب اور مددگار سے حسنِ ظن رکھتے ہیں، جو اُس سے سچی امید لگاتے ہیں، جو اُس (پاک ذات) کے متعلق مایوسی اور سوئے ظن کا لبادہ اتار پھینکتے ہیں کہ جس (پاک ذات) کے لئے کوئی گناہ اتنا بڑا نہیں (کہ وہ اُسے معاف نہ فرما سکے)، اور جو اپنے (اُن) بندوں کے لئے اپنی مغفرت اور رحمت میں بخیلی نہیں کرتا، جو اُس کی جانب متوجہ ہوں، اُس سے التجائیں کریں اور اُس کی جانب رجوع کریں...

لہٰذا اس سے اگلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ * وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ) [الزمر39: 54-55]

''اور تم (سب) اپنے رب کی طرف جھک پڑو اور اُس کی حکم برداری کیے جاؤ اِس سے قبل کہ تمہارے پاس عذاب آجائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے * اور اس بہترین چیز کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔''

چنانچہ موت کے وقت اللہ سے حسنِ ظن یہ ہونا چاہیے کہ مؤمنوں کے ساتھ اُس کے وعدوں پر اطمینان ہو، اپنے مولیٰ پر یہ اعتماد ہو کہ وہ اُسے رسوا نہیں کرے گا اور نہ ہی اُس کے گذشتہ ایام کے عمل اور نیکیوں کو ضائع جانے دے گا... جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"لاَ يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلاَّ وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللهِ تَعَالىٰ " [رواه مسلم و أبو داود]

''تم میں سے کوئی بھی ایسی حالت میں نہ مرے سوائے اِس کے کہ اُس کا اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن ہو''

پس انسان کی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن ایسے ہے جیسے مذکورہ بالا آیات میں بیان کیا گیا ہے، جو اِس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کی جانب رجوع اور استقامت اختیار کی جائے اور اعمالِ صالحہ کے ذریعے اس کی رضاجوئی کی جانب راہ لی جائے... اور اُن لوگوں کے راستے سے جدائی اختیار کی جائے جنہوں نے اپنے رب سے سوئے ظن رکھا اور اُس کی نافرمانی کی...

یہ ہے فرق ' اللہ سے امیدیں لگانے ' میں، جو کہ اُن لوگوں کا راستہ ہے جو اُس پاک ذات کے نافرمان ہیں... بمقابلہ 'اللہ سے حسنِ ظن رکھنے' میں، جو کہ مؤمنوں کا راستہ ہے...

'امیدیں': کمزوری ' کاہلی ' اور نفس کی خواہشات کی پیروی کرنے کے ساتھ ہوتی ہیں... اور کوشش 'محنت 'توبہ ' رجوع 'اور عمل کے راستے پر نہ چلنے کی صورت میں ہوتی ہیں... اور پھر اس کے باوجود اللہ سے امیدیں رکھی جاتی ہیں!

جبکہ محمود(تعریف کیے گئے) حسنِ ظن اور شرعی طور پر امیدیں لگانے کی صورت یہ ہے کہ کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ پر احسن توکل کیا جائے!

پس پہلے والے (یعنی عمل کے بغیر محض امید لگانے والے) کا حال اُس شخص جیسا ہے جو چاہتا ہو کہ اُس کے پاس زمین ہو جس میں وہ بغیر حرکت کے سکون کی حالت میں رہتے ہوئے یا پھر اپنے آپ کو عمل کی تکلیف میں ڈالے بغیر بیج بوئے اور اُسے کاشت کرے... یا پھر اُس شخص جیسا جو چاہتا ہو کہ نکاح اور رشتہ قائم کیے بغیر اُس کی اولاد ہو، جبکہ دوسرا (عملِ صالح کرنے والا شخص جو اللہ سے حسنِ ظن رکھتا ہے) زمین میں ہل چلاتا ہے' بیج بوتا ہے' اُسے کاشت کرتا ہے' اور پھر ایک پاکیزہ اور عمدہ فصل کی امید رکھتا ہے... لہٰذا اہلِ علم اِس بات پر متفق ہیں کہ عمل کے بغیر امید اور حسنِ ظن رکھنا درست نہیں... ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے الفاظ پہلے ذکر کیے جا چکے ہیں جو اُن کی ذہانت اور تجربے پر دلالت کرتے ہیں کہ جو کوئی عملِ صالح کرے تو اللہ کبھی بھی اُسے رسوا نہیں کرتا۔

پس اللہ سے ایسا حسنِ ظن رکھنا جو محبوب کی راہوں کی جانب دھکیلنے والا پہیہ بن جائے اور مسافر کے لئے سفر کو عمدہ بنادے اور دارِ آخرت کی منزل تک پہنچنا آسان بنادے، تو اُسے (یعنی ایسے حسنِ ظن کو) لازماً عمل سے مرتبط ہونا چاہیئے۔ صالحین نے اللہ سے حسنِ ظن رکھنے کا ذکر کثرت سے کیا ہے اور اِس سلسلے میں اُن کی تمام تحریریں اِس شرط کو لاگو کرتی ہیں۔ پس ابن ابی الدنیا اپنی کتاب ''حسن الظن بالله تعالیٰ'' میں علی بن بکار کی سند سے ذکر کرتے ہیں کہ اُن سے اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھنے کے متعلق سوال پوچھا گیا، تو اُنہوں نے فرمایا: **'کہ وہ آپ کو اور گناہگاروں کو ایک گھر میں اکٹھا نہیں کرے گا۔'** یعنی جہنم میں جو بربادی کا گھر ہے...

اس سے یہ شرط لازم آتی ہے کہ آپ کو اُن (گناہگاروں) کے ساتھ اس دنیا کے گھر میں بھی برے اعمال یا گمراہی کی راہ پر، یا فسق وفجور کے مقام میں اکٹھا نہیں کرے گا۔ پس جو دنیا میں اللہ کے دشمنوں سے فاصلہ رکھے اور اُن سے قطع تعلق کرے اور اُن سے عداوت رکھے اور اپنے آپ کو اور اپنی راہ کو اُن سے جدا رکھے، تو پھر وہ یہ حسنِ ظن رکھ سکتا ہے کہ اُس کا مولیٰ اُسے اُن (اللہ کے دشمنوں) کے انجام اور عذاب سے بچالے گا، اور آخرت کے گھر میں اُنہیں اُسی طرح علیحدہ رکھے گا جس طرح دنیا کے گھر میں اُنہیں علیحدہ رکھا تھا...

بصورتِ دیگر اللہ تعالیٰ اس کے خلاف کرنے والے سے، جو اُن (اللہ کے دشمنوں) کے باطل میں اُن کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والا اور اُن کا شریک کار ہو، اپنے اس قول کے ذریعے وعدہ فرماتے ہیں:

(إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا) [النساء4: 140]

''یقیناً اللہ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے''

سلیمان بن الحکم بن عوانہ سے روایت ہے کہ ایک شخص عرفات میں یہ کہتے ہوئے دعا کر رہا تھا: **'اپنی توحید کو ہمارے دلوں میں جاں گزین کرنے کے بعد ہمیں آگ میں عذاب نہ دینا...'**، پھر رونے لگا اور کہنے لگا: **'تو اپنے رحم کے ذریعے جو چاہے کرے...'**، پھر رونے لگا اور کہنے لگا: **'اور اگر تو نے ہم پر رحم نہ کیا تو ایسا ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہو گا... ہمیں اُن ظالم لوگوں کے ساتھ اکٹھا نہ کرنا جن سے ہم نے تیری خاطر عداوت رکھی...'** [التخويف من النار، ابن رجب، ص264]

پس جس نے دنیا میں اہلِ باطل سے عداوت رکھی اور اُن کے طریقوں اور منہج کی مخالفت کی، تو پھر وہ اللہ سے ایسے ملاقات کر سکتا ہے کہ وہ اس سے حسنِ ظن رکھے ہوئے ہو۔

اسی (موئخر الذکر) کتاب کے صفحہ 264 میں بیان ہے:

حکیم بن جابر نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: **'اے اللہ! جو تیرے ساتھ شرک کرتا ہے اور جو تیرے ساتھ شرک نہیں کرتا، اُنہیں اکٹھامت کرنا۔'** یعنی انجام اور عذاب کے اعتبار سے...

اسی کتاب کے صفحہ 265 میں ہے:

ابی نعیم اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ عون بن عبد اللہ نے فرمایا: **'اللہ ہمیں کسی شر سے بچا کر پھر اُسی کی جانب واپس لوٹانے والا نہیں'** (پھر تلاوت فرمائی):

(وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا) [آل عمران3: 103]

(ترجمہ: اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اُس نے تمہیں اُس سے بچالیا)

اور نہ ہی اللہ دونوں قسموں کے لوگوں کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔

(وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ) [النحل16: 38]

(ترجمہ: اور وہ لوگ بڑی سخت سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ مُردوں کو زندہ نہیں کرے گا۔)

ہم اللہ کی سخت ترین قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔

پس اپنے مولیٰ کے ساتھ ایک مضبوط عہد کرو جس میں نہ دھوکے کا ڈر ہو نہ بخیلی کا اور نہ رسوائی کا... تاوقتیکہ تم اچھائی کرتے رہو، وفادار رہو، اللہ کی جانب رجوع رکھو، اور موٴمنوں کے راستے پر چلتے رہو اور مجرموں کے راستے سے کنارہ کشی رکھو...

(إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ) [التوبہ9: 111]

"بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں سے اُن کی جانوں کو اور اُن کے مالوں کو اِس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ اُن کو جنت ملے گی، وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، اِس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے، تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ، اور یہ بڑی کامیابی ہے"

اسے ابو محمد المقدسی نے السلط جیل سے تحریر کیا ہے

اس روز کی شام جس میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو اُس کے دشمن سے نجات دلائی (10 محرم)
اس سال جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کو گزرے 1419 سال ہو گئے ہیں۔

اے اللہ! ہم تجھ سے حسنِ ظن رکھتے ہیں کہ تو ہمیں اس طرح نجات دلائے گا جس طرح تو نے اپنے نبی کو نجات دلائی تھی

اے اللہ! پس تو ہمیں دنیا اور آخرت کے دکھوں سے نجات دلا... آمین

ضمیمہ

(یہ ضمیمہ اصل عربی مضمون کے انگریزی ترجمہ نگارAbu Sabaya کی جانب سے ایک عمدہ کاوش ہے، جزاہ اللہ خیراً الجزاء)

اقوالِ سلف

رسول اللہ ﷺ اپنے رب کا فرمان ذکر کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

"میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے۔" [بخاری: 7405، مسلم: 2675]

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"یعنی میں وہ سب کچھ کر سکتا ہوں جو وہ مجھ سے توقع کرتا ہے کہ میں کروں گا۔" [فتح الباری: 17/397]

النووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"علماء کہتے ہیں کہ اللہ سے بہترین کی امید رکھنے سے مراد یہ توقع رکھنا ہے کہ وہ (بندے پر) رحم فرمائے گا اور اُسے مشکل سے نجات دلائے گا۔" [شرح صحیح مسلم: 14/210]

النووی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید یہ فرمایا:

"القاضی عیاض نے فرمایا کہ اِس کا مطلب ہے کہ اگر (بندہ) معافی کو طلبگار ہو تو وہ اُسے معاف فرمائے گا، اگر توبہ کرے تو اُس کی توبہ قبول فرمائے گا، دعا کرے تو اُسے سنے گا، اور اگر وہ کچھ مانگے تو اُس کے لئے کافی ہو جائے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے اس سے مراد امید رکھنا اور (مشکلات سے) نجات چاہنا ہے، اور یہ زیادہ درست ہے۔" [شرح صحیح مسلم: 14/2]

احمد بن عمر القرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"یہ کہا گیا ہے کہ اللہ کے فرمان 'میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں' کا مطلب ہے کہ اگر کوئی توقع کرتا ہے کہ اُس کی دعا کا جواب ملے گا، اُس کی توبہ قبول ہو گی، کوئی ناپسندیدہ چیز اُس سے دور ہٹا دی جائے گی، اُس کے وہ اعمال قبول ہوں گے جو درست شرائط کے ساتھ بجالائے گئے... یہ بات رب تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوتی ہے: 'اللہ سے اس طرح مانگو کہ تمہیں یقین ہو کہ تمہاری دعا سنی جائے گی۔' اسی طرح، جو توبہ

کرتا ہے، بخشش طلب کرتا ہے، اور اچھے اعمال کرتا ہے، اُس پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو اُس کے فرائض کی بجا آوری میں لگا دے جبکہ اُسے یقین ہو کہ اللہ اُس کے اعمال کو قبول فرمائے گا اور اُس کے گناہ معاف فرمائے گا، جیسا کہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ کسی بھی سچی توبہ اور عملِ صالح کو قبول فرمائے گا۔ پس جو کوئی بھی ایسا عمل کرے اور یقین رکھے اور توقع کرے کہ اللہ اسے قبول نہیں فرمائے گا اور یہ اُسے فائدہ نہ دے گا، تو یہ اللہ کی رحمت سے مایوسی ہے، اور یہ کبائر کے بڑے ترین گناہوں میں سے ہے۔ جو کوئی اِس حالت میں مرے تو اُسے وہی انجام ملے گا جس کی اُس نے توقع رکھی تھی۔" [المفہم لما یشکل من تلخیص کتاب مسلم: 5/267]

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اکثر لوگ – در حقیقت، سبھی سوائے جنہیں اللہ محفوظ رکھے – سچ سے ہٹ کر قیاس کرتے ہیں، اور بد ترین قیاس کرتے ہیں۔ اکثر لوگ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے حقوق سے محروم کیے گئے ہیں، بد قسمت ہیں، جو اللہ نے اُنہیں دیا ہے وہ اس سے زیادہ کے حقدار ہیں، جیسے کہ یہ کہہ رہے ہوں: 'میرے رب نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور مجھے اس سے محروم رکھا ہے جس کا میں حقدار تھا۔' حالانکہ اُن کی روح اس بات پر گواہی دیتی ہے جبکہ زبان تردید کرتی ہے اور کھلے عام ایسا کہنے سے انکار کرتی ہے۔ جو کوئی اپنی روح کی گہرائی میں جھانکتا ہے اور اس کے اندر باہر کو پہچانتا ہے تو وہ اِس بات کو اِس (یعنی اپنی روح) میں ایسے دیکھے گا جیسے زور دار دھماکے میں آگ... اور اگر آپ کسی کی روح کی گہرائی میں جھانکیں تو آپ دیکھیں گے کہ وہ قسمت کو الزام دیتا ہے اور جو کچھ اُس کے ساتھ اصل میں ہوا اُس کے بجائے کچھ اور چاہتا ہے، کہ ایسے ہوتا یا ویسے ہوتا... چنانچہ آپ اپنے نفس کی گہرائی میں جھانکیں: کیا آپ اِس سے محفوظ ہیں؟ اگر آپ اِس سے محفوظ ہیں تو پھر آپ ایک بہت بڑی چیز سے محفوظ ہیں۔ بصورتِ دیگر میں نہیں دیکھتا کہ آپ بچا لیے گئے ہیں۔" [زاد المعاد: 3/235]

اُنہوں نے مزید یہ فرمایا:

"جتنا زیادہ آپ اپنے رب سے حسنِ ظن رکھیں گے اور اُس سے امید لگائیں گے، اتنا ہی زیادہ آپ اُس پر توکل اور اعتماد کریں گے۔ اسی لئے بعض نے حقیقی توکل اور اعتماد کو اللہ سے حسنِ ظن رکھنے سے بیان کیا ہے۔ در حقیقت، اُس سے حسنِ ظن رکھنا اُس پر توکل اور اعتماد کرنے کی جانب لے جاتا ہے، کیونکہ یہ بات بعید از سوچ ہے کہ کوئی کسی ایسے پر اعتماد کرے جس سے اُسے بدگمانی ہو یا جس سے اُسے کوئی امید نہ ہو، واللہ اعلم۔" [تہذیب مدارج السالکین: ص240]

اُنہوں نے یہ بھی فرمایا:

"جو اللہ سے امید رکھتا ہے اُسے اُس سے بہترین کی توقع رکھتے ہوئے ہمیشہ خوش بین، محتاط، اور اللہ کے فضل و کرم کا امیدوار رہنا چاہیئے۔" [تہذیب مدارج السالکین: ص300]

سید قطب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اُن مؤمنوں کے لئے جن کے قلوب اللہ سے جڑے ہوئے ہیں، جن کی ارواح اُس سے قربت رکھتی ہیں، جو اُس کے مستقل فضل و کرم کو محسوس کرتے ہیں—وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے، چاہے وہ ہر طرف سے ہی مصائب اور مشکلات میں کیوں نہ گھِر جائیں۔ مومن اپنے اعتقاد، اپنے رب سے اپنے تعلق کی حلاوت، اور اپنے مولیٰ پر اعتماد کے سکون کی رحمت کے سایے تلے ہوتا ہے، اگرچہ وہ مشکلات اور مصائب کے شدید تھپیڑوں میں ہی کیوں نہ گھِرا ہوا ہو۔"

اُنہوں نے یہ بھی فرمایا:

"یقین کرنے والا دل اپنے رب سے بہترین گمان رکھتا ہے، اور ہمیشہ اُس سے بہترین کی توقع رکھتا ہے۔ یہ آسانی کے اوقات میں اور مشکل کے اوقات میں اُس سے اچھی توقع رکھتا ہے، اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ ہر صورت میں اُس کی بھلائی ہی چاہتا ہے۔ اِس کا راز یہ ہے کہ دل اللہ سے جڑا ہوا ہوتا ہے اور اللہ کی جانب سے خیر کبھی منقطع نہیں ہوتی۔ پس جب بھی دل اُس سے جڑا ہوا ہو تو وہ اِس بنیادی حقیقت کو چھو لیتا ہے اور اس (حقیقت) کو بلاواسطہ اور حلاوت سے بھرپور انداز میں محسوس کرتا ہے۔" [فی ظلال القرآن: 6/3219]

بعض اسلاف نے فرمایا:

"جب بھی تمہیں کسی مصیبت سے واسطہ پڑے، تو اسے دور کرنے کے لئے اللہ سے اپنے حسنِ ظن کو استعمال کرو۔ یہ (رویہ) تمہیں راحت سے قریب تر لے جائے گا۔" [الفرج بعد الشدّہ: 1/154]

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ دعا کیا کرتے تھے:

"اے اللہ! مجھے اپنی (پاک) ذات پر سچا توکل اور اپنے آپ پر حسنِ ظن عطا فرما۔" [سیر اعلام النبلاء: 4/325]

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اُس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، مومن کو اللہ سے حسنِ ظن سے بہتر کوئی عطا نہیں ملتی، اور اُس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اللہ کا جو بندہ بھی اُس سے حسنِ ظن رکھے تو اللہ اُسے وہی عنایت فرماتا ہے جس کی اُس (بندے) نے توقع رکھی، کیونکہ ہر خیر اُسی کے ہاتھ میں ہے۔" [حسن الظن باللہ: ص93]

سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے:

"میں اپنے باپ کے ذریعے نہیں پرکھا جانا چاہتا، کیونکہ میرے لئے میرا رب میرے باپ سے بہتر ہے۔" [حسن الظن باللہ: ص45]

عمار بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”میں نے حسن بن صالح کو ایک خواب میں دیکھا اور میں نے کہا: ’میں آپ سے ملنے کی توقع رکھے ہوئے تھا! آپ ہمیں کیا بتا سکتے ہیں؟‘ اُنہوں نے جواب دیا: ’میں تمہیں یہ خوشخبری دیتا ہوں کہ میں اللہ سے حسنِ ظن رکھنے سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھتا۔‘“[حسن الظن باللہ: ص45]